آزادی کے اسلامی تقاضے

۲۹ جنوری ۱۹۴۸ء سے لے کر ۹ فروری ۱۹۴۸ء تک راولپنڈی کمشنری کے اضلاع جہلم، گجرات، سرگودھا، اور میانوالی کے ضلعی اجتماعات منعقد ہوئے۔ ان اجتماعات میں مرکز کی طرف سے میں اور رفیق محترم جناب غازی محمد عبدالجبار صاحب شریک ہوئے۔ جماعت کے کاموں کا جائزہ لینے اور ارکان کو مناسب وقت ہدایات دینے کے علاوہ ہر مقام پر، ہر طبقہ کے اشخاص سے تبادلہ خیالات اور عام مسلمانوں کے اجتماعات میں لوگوں کو خطاب کرنے کے مواقع بھی ملے۔ خطاب عام کی تقریروں کے ضروری حصے مولوی فتح محمد صاحب قیم حلقہ راولپنڈی نے نوٹ کر لئے تھے۔ ان کی یادداشت کی مدد سے تقریر کے مختلف اجزاء کو ایک سلسلے میں مربوط کر دیا گیا ہے۔ مختلف مقامات کی مقامی اور وقتی ضروریات کے لحاظ سے تقریروں کے مطالب میں تھوڑا بہت اختلاف بھی ہوا۔ لیکن ہر جگہ قدر مشترک ایک ہی رہا، اس لئے تمام ضروری مطالب ایک ہی تقریر میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ ہر تقریر کو الگ الگ قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

امین احسن اصلاحی

خطبہ مسنونہ کے بعد:۔

بھائیو اور عزیزو!

آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے کل اور آج میں بڑا فرق پیدا ہو چکا ہے۔ آپ کل تک اس ملک میں غلام تھے، آج آزاد ہیں۔ کل تک محکوم تھے، آج حاکم ہیں۔ کل تک آپ کا ارادہ دوسروں کے ارادہ کا تابع اور آپ کا اختیار دوسروں کے اختیار و اذن کا دست نگر تھا، لیکن آج آپ اپنی مرضی کے مالک اور اپنے ارادہ کے بادشاہ ہیں۔ آپ کی سرزمین اب اپنی ہے، اس کے وسائل و ذرائع اپنے ہیں۔ آپ ہی اس کے نظم و نسق کا پورا حق حاصل ہے اور کوئی نہیں ہے جو آپ کے اس حق میں مزاحمت کر سکے۔ آپ

اب اس کے بنانے اور بگاڑنے کے مختار ہیں اور کوئی نہیں ہے جو آپ کا ہاتھ پکڑ سکے۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو آپ کو حاصل ہوئی ہے! اور پروردگار عالم کا یہ کتنا بڑا فضل ہے جو اس نے آپ پر فرمایا ہے! آزادی اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے اس نے آپ کو سرفراز فرمایا، اور غلامی دنیا کی بدترین ذلتوں میں سے ایک بہت بڑی ذلت ہے جس سے اس نے آپ کو نجات دی۔ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت پانے کے بعد ہمارا فرض ہے کہ ہم پہلے اس آزادی کے حقیقی مفہوم اور اس کے مقتضیات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پھر سچے عزم کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

آزادی اور غلامی کا اسلامی اور غیر اسلامی مفہوم حضرات! اس چیز پر غور کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ دنیا کے بہت سے الفاظ اور اصطلاحات کی طرح آزادی اور غلامی کی اصطلاحات کا مفہوم بھی ہمارے اسلامی لغت میں اس مفہوم سے بہت کچھ مختلف ہے جو دنیا کی دوسری قومیں ان الفاظ سے سمجھتی ہیں۔ دنیا کی دوسری قوموں کے نزدیک تو غلامی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کے ارادہ و اختیار، اس کے ملک و وطن اور اس کے وسائل و ذرائع پر قابض ہو جائے اور اس کی خواہشوں کے خلاف ان ساری چیزوں کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرے۔ اسی طرح ان کے نزدیک آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی قوم اس قسم کے اجنبی تسلط سے نجات حاصل کرکے اپنے وسائل و ذرائع پر اپنے حسب منشا تصرف کر سکے اور اپنے معیارات کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو ڈھال سکے۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک (بشرطیکہ وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غور کریں) آزادی اور غلامی کا مفہوم اس سے بہت کچھ مختلف ہے۔ مسلمان کے نزدیک غلامی کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کو تسلیم کرے، خواہ وہ غیر کوئی اور شخص اور کوئی اور قوم ہو یا خود اس کا اپنا ہی نفس اور اس کی اپنی قوم ہو۔ اسی طرح آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اللہ کے سوا ہر اطاعت و بندگی سے آزاد ہو جائے یہاں تک کہ خود اپنے نفس اور اپنی خواہشوں اور اپنی قوم کی حاکمیت و اطاعت کا کوئی پھندا بھی اس کے گلے میں باقی نہ رہے۔ آزادی اور غلامی

کی تعریف میں اسلامی اور غیر اسلامی نقطہ نظر کا یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے بلکہ بنیادی اور جوہری اختلاف ہے۔ اس اختلاف کا اگر آپ ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا چاہیں تو اس طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ ۱۵ اگست کے بعد انڈین یونین کے غیر مسلم تو اپنے تصور آزادی کے لحاظ سے آزادی کی منزل مقصود تک پہنچ گئے ہیں کیونکہ ان کے جان و مال اور ارادہ و اختیار پر انگریزوں کو جو تصرف حاصل تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ اپنے ملک کے حکمراں آپ خود بن گئے، باقی رہے پاکستان کے مسلمان تو ان کی آزادی کے لئے تنہا یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ انگریز یہاں سے چلے گئے، بلکہ ان کے تصور آزادی کے لحاظ سے یہ بات بھی ضروری ہے کہ غیر الٰہی حاکمیت و اطاعت کے ہر پھندے سے ان کی گردن آزاد ہو۔ خواہ وہ پھندا دوسروں نے بالجبر ان کی گردن میں ڈالا ہو یا وہ خود اپنی پسند سے کوئی پھندا تیار کریں اور اس کو خود اپنے شوق سے زیور کی طرح پہن لیں۔ اگر انگریز چلے گئے اور ان کی جگہ ہم نے خود لے لی اور اللہ کے قانون کے بجائے خود قانون بنانے اور چلانے لگے تو یہ یا تو غلامی ہی کی ایک نئی شکل ہو گی یا اس کو صحیح تر الفاظ میں بغاوت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کو اسلامی تصور کے لحاظ سے آزادی نہیں کہہ سکتے ؎

ہر چند کہ سبکدست ہوئے بت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

آزادی اور غلامی کے مفہوم میں اسلامی اور غیر اسلامی نقطہ نظر کا یہ اختلاف بڑے دور رس نتائج رکھتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے لازمی طور پر آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک غیر مسلم معاشرہ اس آزادی کو اس سے بالکل مختلف طریقوں پر برتتا ہے جس طرح ایک مسلم معاشرہ اس کو برتتا ہے۔ ایک غیر مسلم معاشرہ کسی اجنبی اقتدار سے آزادی . . . حاصل کرنے کے بعد اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس آزادی کو آزادانہ استعمال کرے، اپنے وسائل و ذرائع پر اپنے منشا کے مطابق خود تصرف کرے۔ اپنے لئے خود قانون بنائے، اپنی پسند و ناپسند کے لئے خود کوئی معیار ٹھہرائے، اپنے ذوق اور پسند کے مطابق اپنی تہذیب کو جو رنگ چاہے دے۔ اپنے سیاسی و اجتماعی مسائل کو جس ڈھنگ پر چاہے حل کرے۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک آزادی

کے معنی غیر اللہ کی حاکمیت اور اس کی بندگی سے آزادی ہے نہ کہ خود اللہ کی حاکمیت اور بندگی سے آزادی۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی غلامی کا تعلق ہے یہ پیدائشی طور پر ہر انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اور سچا مسلمان اس امر واقعی کو تسلیم کرتا ہے، اس وجہ سے وہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ آزادی حاصل ہونے کے بعد وہ خدا سے بھی آزاد ہو جائے اگر وہ ایسا کرے تو قرآن میں اس کو ظلم، فساد اور بغاوت کہا گیا ہے، اور یہ چیز اسلامی شریعت میں غلامی سے بھی زیادہ بُری ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک مسلم معاشرہ کا حق یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی اس آزادی کو خدا کے قانون کے تابع کر دے۔ اور اس کے مقرر کئے ہوئے حدود کے اندر اس آزادی کو استعمال کرے۔ غیر الٰہی حاکمیت سے آزاد ہو کر اللہ وحدہٗ لا شریک کا غلام اور محکوم بن جائے اور اپنے ترک و اختیار، رد و قبول اور پسند و ناپسند کے لئے اس شریعت کو معیار بنائے جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اس وفاداری میں اس نعمت آزادی کی حقیقی قدر پوشیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اس کی کسی نعمت سے مستقل طور پر فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو اس کی صحیح قدر کرتے ہیں۔ اگر کوئی قوم کسی نعمت کو پا کر اس کا حق ادا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جانچنے کے لئے تھوڑی سی مہلت ضرور ملتی ہے لیکن بالآخر وہ نعمت اس سے چھین لی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں راستوں میں سے کوئی ایک راستہ آپ کو بھی اختیار کرنا ہے، اور آپ کے مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ دوسرا راستہ اختیار کریں، اب آپ پر کوئی غیر الٰہی اقتدار بالجبر مسلط نہیں ہو رہا ہے۔ آپ اپنی انفرادی زندگیوں میں خدا کی بندگی کر سکتے ہیں اور اپنی اجتماعی زندگی میں بھی خدا کی بندگی کر سکتے ہیں۔ اب آپ کے افراد بھی مومن و مسلم رہ سکتے ہیں اور آپ کی حکومت بھی مومن و مسلم بن سکتی ہے۔ اور آزادی کی نعمت دے کر یہی بات ہے جو اللہ نے آپ سے چاہی ہے۔ اگر آپ نے یہ بات پوری کر دی تو اس نعمت آزادی کی آپ حقیقی قدر کریں گے اور اللہ تعالےٰ آپ سے خوش ہو گا اور آپ کو اس منصب خلافت کی عزت بخشیگا جو اس نے ہمیشہ اپنے صالح بندوں کو بخشی ہے، لیکن اگر آپ نے اس کی خلاف ورزی کی اور باغیوں اور مفسدوں کی طرح اس آزادی کو پا کر خدا کے ملک میں اپنی بادشاہی

اور اپنی خدائی چلانے کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے تو آپ کو امتحان اور جانچ کے لئے خدا کی طرف سے تھوڑی سی مہلت ضرور نصیب ہو گی، مگر اندیشہ ہے کہ اس مہلت کے گذر جانے کے بعد خدا نہ خواستہ یہ آزادی اسی طرح چھین لی جائے گی جس طرح کچھ دنوں پہلے دلی کا تخت و تاج چھین لیا گیا تھا۔

پاکستان کا مفہوم اور اس کے تقاضے حضرات! اس آزادی کے ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر جو چیز آپ کو حاصل ہوئی ہے وہ پاکستان ہے۔ اس وجہ سے میں نے جس اسلامی نقطۂ نظر سے آزادی اور غلامی کے مفہوم اور اس کے مقتضیات پر گفتگو کی ہے اسی نقطۂ نظر سے پاکستان، اس کے مفہوم اور اس کے مقتضیات پر چند حروف عرض کروں گا۔ یہ حقیقت آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس خطۂ زمین کا نام جو پاکستان رکھا گیا ہے، یہ نہ تو کوئی اتفاقی اور جغرافی نام ہے اور نہ یہ کوئی قومی نام ہے اس ملک کا نام پاکستان اس لئے نہیں رکھا گیا کہ اس کا یہی نام پہلے سے تھا اس وجہ سے آزادی کے بعد بھی یہی نام اختیار کر لیا گیا۔ علیٰ ہذالقیاس یہ نام اس وجہ سے بھی نہیں رکھا گیا کہ یہاں "پاک" نام کی کوئی قوم بستی رہی ہو اور اس کی نسبت سے ہندوستان، افغانستان یا انگلستان کی طرح اس کو پاکستان کا نام دے دیا گیا ہو۔ بلکہ اس کا نام پاکستان اس آئیڈیالوجی کی وجہ سے رکھا گیا ہے جو پاکستان کی تحریک کے آغاز سے اس کی تکمیل کے وقت تک برابر اس کی پشت پر کام کرتی رہی ہے۔ اور جس نے پاکستان کے لئے محرک کا کام بھی دیا ہے اور دلیل کا بھی، یہ آئیڈیالوجی کیا ہے؟ یہ آئیڈیالوجی اس عقیدہ اور تصور سے عبارت ہے کہ آپ خدا اور اس کی توحید اور اس کے دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ خدا کی توحید کا یہ لازمی نتیجہ سمجھتے ہیں کہ اسی کو حکمراں اور قانون ساز مانیں، اس وجہ سے آپ یہ بجا طور پر محسوس کرتے ہیں کہ آپ ایک ایسے مشترک ہندوستان میں اپنے دینی تصورات کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے جس میں حکومت کی بنیاد حکمرانیٔ جمہور کے اصول پر رکھی گئی ہو۔ اسی طرح آپ دین کو صرف پرائیویٹ زندگی تک محدود نہیں مانتے بلکہ اس کو انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی مانتے ہیں، اسی وجہ سے

کوئی ایسا نظام زندگی قبول کرتا آپ کے تصورِ دین کے منافی تھا جس میں دین کو ایک لادینی نظام کے تحت صرف پرائیویٹ زندگی تک محدود کر دیا گیا ہو علیٰ ہذا القیاس آپ جس نظریہ سلطنت کے معتقد ہیں وہ یہ ہے کہ "خدا کی حکومت، خلق کے لئے صالحین کے ذریعے سے"، اس وجہ سے آپ کے لئے ناممکن تھا کہ آپ عہد حاضر کے اس مقبولِ عام سیاسی نظریہ پر ایمان لائیں کہ "عوام کی حکومت عوام کے لئے، عوام کے ہاتھوں"! آپ کے اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے تصور کا دراصل یہی اختلاف تھا جس نے آپ کو پاکستان کے مطالبہ پر مجبور کیا تھا تاکہ آپ ایک علیحدہ خطۂ زمین میں خالص اپنے تصورات اور عقائد کے مطابق ایک نظام زندگی بنا سکیں، اور اس کے تحت صحیح اسلامی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ تصور تمام تر آپ کے دینی معتقدات پر مبنی تھا اس وجہ سے نہ تو آپ سے انحراف ممکن تھا اور نہ آپ کے حریفوں کے لئے اس کا انکار ممکن ہو سکا۔ اسی وجہ سے اس چیز نے آپ کی تحریک کے لئے محرک کا بھی کام دیا اور آپ کے دعوے اور مطالبے کے لئے دلیل اور ثبوت کا بھی کام دیا۔ اسی کے نام پر آپ نے اپنی قوم کو پکارا اور پوری قوم کی قوم آپ کی پکار پر جمع ہو گئی، اسی چیز کو آپ نے دنیا کے سامنے بطور دلیل کے رکھا اور دنیا کی رائے عام کو آپ کے مطالبہ کے آگے جھکنا پڑا۔ اگر آپ نے اس آئیڈیالوجی کے نام پر لوگوں کو نہ پکارا ہوتا تو مجھے اُمید نہیں کہ آپ راس کماری سے لے کر کشمیر تک اور پشاور سے لے کر کلکتہ تک اپنی حمایت میں کوئی ہلچل پیدا کر سکتے۔ اگر آپ نے اپنے مطالبہ کی تائید میں اللہ کا، اس کے رسول کا، اس کی کتاب کا اور اسلامی شریعت کے اٹل تقاضوں کا حوالہ نہ دیا ہوتا تو ہرگز اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ کروڑوں مسلمان بھی آپ کے اس مطالبہ کی حمایت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتے جو اس بات سے ناواقف نہ تھے کہ پاکستان کی تعمیر کے بعد بھی ان کی قسمت ہندوستان کے ساتھ ہی وابستہ رہے گی اور ان کا یہ مطالبہ ان کے لئے ہزارہا خطرات کے دروازے کھول دے گا۔

بہرحال یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ پاکستان کا نام جب سے بھی آپ کی زبانوں پر آیا ہے اس آئیڈیالوجی کے ساتھ ہی آیا ہے۔ اگر تقریر کے طویل ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تفصیل کے ساتھ

بتاتا کہ آپ کی سیاسی تاریخ کب سے اس لفظ سے آشنا ہوئی اور کن محرکات کے تحت اس تصور کا وجود ہوا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ آپ میں سے ہر شخص خود اس تفصیل سے اچھی طرح واقف ہے۔ آپ میں سے جن لوگوں نے پاکستان کی تعمیر میں کسی نوعیت سے کوئی حصہ لیا ہے، انھوں نے اس حقیقت کا بارہا اسی قوم کے سامنے اعلان و اقرار بھی کیا ہے، اس وجہ سے ضروری ہے کہ آپ پاکستان حاصل ہو جانے کے بعد پاکستان کے مقتضیات کو پورا کریں اور اس کی تکمیل کے آئندہ مراحل میں اس تصور سے غافل نہ رہیں جس کے نام پر آپ نے اس کو حاصل کیا ہے نیز اپنے ان وعدوں اور اعلانات کو بھی فراموش نہ کریں جن کو آپ نے اپنی قوم کے سامنے بار بار دہرایا ہے اور خلق اور خدا کو ان پر گواہ ٹھیرایا ہے۔

حضرات! آپ کی ذمہ داریاں لفظ پاکستان سے بھی واضح ہو رہی ہیں۔ پاکستان کے معنی ہیں پاکوں کی سرزمین۔

آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ پاکوں کی قومیت نسل و قوم، ملک و وطن اور روایات تہذیب و معاشرت کے سرسری اشتراک سے نہیں بنا کرتی، بلکہ عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کی کامل وحدت سے بنتی ہے۔ ہندوستان کے برہمن اور فلسطین کے یہودی کسی زمانہ میں نسلی و نسبی پاکی کے خبط میں مبتلا تھے اور محض بزرگوں یا دیوتاؤں کی اولاد ہونے یا خیال کرنے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بھی پاک سمجھتے تھے اور اس سرزمین کو بھی پاک خیال کرنے لگے تھے جس میں وہ آباد تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کا ظہور ہوا۔ وہ ان ملکوں پر غالب آئے تو انھوں نے یہودیوں اور برہمنوں کی ان غلط فہمیوں کو رفع کیا اور ان کو بتایا کہ کوئی قوم نسب اور خون کی وجہ سے پاک نہیں ہوا کرتی، بلکہ ایمان اور عمل صالح سے پاک ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس طرح کی نخوت جاہلیت مٹانے والے بن کے رہے ہیں وہ دنیا پر اور خود اپنے اوپر بڑا ظلم کریں گے، اگر اسی طرح کے کسی جاہلی فتنہ میں خود مبتلا ہو جائیں۔ اسی وجہ سے میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ پاکی اور ناپاکی کی حقیقت پر اسلامی نقطۂ نظر سے غور کریں تاکہ جس خطۂ زمین کو آپ نے پاکستان کا نام دیا ہے وہ فی الحقیقت پاکستان بن سکے۔

یہ نام آپ کے قومی احساس برتری کا محض ایک نشان بن کر رہ جاتے جو اللہ تعالٰے کے سامنے آپ کو رسوا کرائے۔ اسلام میں جیسا کہ میں نے عرض کیا کوئی شخص نہ تو نسل ونسب سے پاک ہوتا ہے اور نہ کسی خاص گروہ کی طرف انتساب کی وجہ سے، نہ کسی خاص سرزمین کا باشندہ ہونے کی وجہ سے، نہ اُجلے کپڑے پہن لینے کی وجہ سے بلکہ ان تمام باتوں پر اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے کی وجہ سے پاک ہوتا ہے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی اونچا نسب رکھتا ہو، کتنی برتر قوم کی طرف انتساب کا مدعی ہو اور ہر صبح کو کتنا ہی صابون اور خوشبو اپنے جسم پر لپیٹتا ہو لیکن پاکی اور پاکیزگی کی اس کو ہوا تک بھی نہیں لگ سکتی، جب تک وہ ایمان و عمل صالح سے اپنے آپ کو نہ سنوارے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اسلام میں کوئی خطۂ زمین بھی پاکستان کے باعزت نام کا مستحق نہیں ہو سکتا خواہ اس میں دنیا کی کوئی قوم بھی بس رہی ہو، جب تک اس خطۂ زمین پر خدا کا قانون جاری و نافذ نہ ہو۔

پاکستان کے لیے عظیم قربانی کا مقصد! اس ملک کے لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ ان ساری باتوں کو یاد رکھیں اور ان کو پورا کریں۔ اگر انھوں نے ان باتوں کی خلاف ورزی کی تو نہ صرف یہ کہ پاکستان کی ساری جدوجہد کا مقصد فوت ہو جائے گا اور یہ لوگ خلق اور خدا کے آگے جھوٹے ثابت ہوں گے بلکہ یہ ایک ایسا حادثہ ہو گا جو پوری قوم کی کمر ہمت توڑ دے گا۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان بغیر کسی بڑی قربانی کے محض سیاسی تدبیر و تدبر کے زور سے حاصل ہو گیا ہے، واقعات نے ان کے اس خیال کی تردید کر دی ہے۔ اب تو بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو بھاری قیمت مسلمانوں کو پاکستان کے لئے ادا کرنی پڑی ہے اتنی بھاری قیمت دنیا کی کسی قوم نے بھی اپنی آزادی کے لئے ادا نہیں کی ہے۔ مشرقی پنجاب اور دلی کے لاکھوں مسلمانوں کی خانماں بربادی کو بھول جائیے، ہزاروں عورتوں کی بے عصمتی اور ذلت کو بھی نظر انداز کر دیجئے، لاکھوں بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کے قتلِ عام کو بھی شمار میں نہ لائیے اور ان واقعات سے بھی قطع نظر کیجئے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں پیش آئے ہیں، صرف اس امر پر غور کیجئے کہ ہندوستان کے کئی کروڑ مسلمان جو آج اپنے وطن میں

خوف اور بے اطمینانی کی وہ زندگی گذارنے پر مجبور کر دیئے ہیں جس کا تصور وہ کسی دشمن کے ملک میں بھی مشکل سے کر سکتے تھے، آخر کس جرم کی پاداش میں یہ سزا بھگت رہے ہیں؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ یہ محض اس جرم کی سزا ہے کہ انھوں نے پاکستان کے مطالبہ میں آپ کا ساتھ دیا اور یہ کہہ کر ساتھ دیا کہ اس مقصد عزیز کی خاطر وہ اپنے سیاسی مستقبل کو خطرہ میں ڈالنے اور صاف لفظوں میں اپنے تئیں قربانی کا بکرا بنانے کے لئے تیار ہیں؟ اگر محض سیاسی مشیخت جتانے کی خاطر اس حقیقت کی تاویل کی خواہش آپ کے اندر پیدا نہ ہو تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ سب پاکستان کے لئے کیا گیا ہے۔ یہی چیز ہے جس کی خاطر مشرقی پنجاب اور دلی کے مسلمانوں نے بھی تباہی کو دعوت دی اور اسی چیز کی خاطر ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں نے بھی اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا، اس وجہ سے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ پاکستان محض گردش قلم کا ایک کرشمہ یا سیاسی تدبر کا ایک شعبدہ ہے۔ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں اگر وہ واقعات سے بے خبر ہیں تو ان کی بے خبری پر افسوس ہے اور اگر وہ اس قوم کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں جس کو انہوں نے اس راہ میں قربان کیا ہے تو ان کی یہ ناقدری قابل ماتم ہے۔ پاکستان کے لئے آپ کو ایک تہائی سے زیادہ بلکہ کم و بیش نصف آبادی کو قربان کرنا پڑا ہے اور یہ اتنی بڑی قربانی ہے جس کی مثال دنیا کی کسی قوم کی تاریخ آزادی بھی پیش نہیں کر سکتی۔

غور کیجئے، اتنی بڑی قربانی آپ کی قوم نے کس مقصد کے لئے دی ہے؟ کیا محض اس لئے کہ اس ملک میں ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی بھی قائم ہو جائے؟ اس طرح کی ریاست جس طرح افغانستان میں افغانیوں کی، ایران میں ایرانیوں کی، اور ٹرکی میں ترکوں کی ہے۔ اگر فی الواقع یہی چیز پیش نظر تھی تو میں عرض کرونگا کہ بڑی ہی حقیر چیز کے لئے مسلمان قوم نے اپنی بہت بڑی چیز قربان کی اور یہ ساری قربانی خسر الدنیا والآخرہ کی مصداق ہے اس طرح کی ریاست سے ان کروڑوں مسلمانوں کو دنیا میں کیا فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے جن کے جان و مال کو اس کے قیام کی جد و جہد میں حصہ لینے ہی کی وجہ سے ہندوستان میں مباح کر دیا گیا۔ اور کل کو خدا کے یہاں وہ اپنی ان کوششوں پر کس اجر کے متوقع ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی ساری محنت ایک ایسی

ریاست کے قیام پر صرف ہوئی ہو جو دنیا کی قومی ریاستوں میں سے ایک ریاست ہو اور جس نے اپنے قیام کی جدوجہد میں دین کے نام سے تو فائدہ اٹھا لیا ہو لیکن قیام کے بعد دین کے کسی کام آنے کی اس سے توقع نہ ہو؟ اس طرح کی ریاست پر ممکن ہے کہ پاکستان کا کھاتا پیتا مسلمان راضی ہو جائے، کیونکہ بہرحال دنیا کا فائدہ اس کے تحت ایک حد تک اس کو حاصل رہے گا، لیکن وہ کروڑوں مسلمان اس چیز پر قانع کیسے ہو سکتے ہیں جنہوں نے اس کے عشق میں کھو تو سب کچھ دیا ہے مگر پایا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کو تو اگر کوئی چیز تسلی دے سکتی ہے تو صرف ایک ہی چیز تسلی دے سکتی ہے، وہ یہ کہ ان کو اطمینان ہو کہ جس خدا اور رسول کے نام پر ان کو قیام پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی تھی، اور جس کی تعمیل میں انہوں نے سب کچھ کھو دیا ہے وہ فی الحقیقت اسی خدا اور اسی کے دین کا کام ہے۔ یہ نہ خیال کیجئے کہ میں محض لفاظی کے زور سے مسلمانوں کی اس جدوجہد کو خواہ مخواہ ایک دینی رنگ دے رہا ہوں، ورنہ مسلمان محض اپنا ایک قومی اسٹیٹ چاہتے تھے جو پاکستان کی صورت میں انھیں مل گیا۔ ممکن ہے کچھ ہوشیار قسم کے لوگ فی الحقیقت ایک قومی حکومت ہی چاہتے رہے ہوں اور دین کا نام وہ محض ظاہر دارانہ ہی لیتے رہے ہوں، لیکن اس قسم کے تھوڑے سے چالاک لوگوں کے پردے میں ان کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کا خون کرنا جائز نہ ہوگا جو فی الحقیقت خدا کے دین کی خدمت ہی کے لئے اس جدوجہد میں شریک ہوئے تھے اور اب تک وہ اپنی ساری تباہیوں پر اس خیال سے مطمئن ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے کیا ہے۔ اس گروہ میں ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں عامۃ الناس کے ساتھ ان دونوں ملکوں کے ہزاروں اور لاکھوں علماء اور مشائخ اور دوسرے اہل علم بھی ہیں جن کو دین کے سوا دنیا کی کوئی اور دوسری چیز کبھی بھی اپیل نہیں کر سکتی تھی۔ اگر خدا نخواستہ ان لوگوں کا منشا پورا نہ ہوا اور آپ نے ان کے جذبات سے بے پروا ہو کر ایک لادینی قسم کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تو یہ لوگ اپنی بدبختی پر سر پیٹ لیں گے اور اس کا اثر ان کے ذہن و دماغ اور ان کے عزم و حوصلہ پر اتنا برا پڑے گا کہ آپ کی پوری قوم بالکل بے جان ہو کر

رہ جائے گی اور تحریک خلافت کی ہماہمی کے بعد ترکوں کے خلافت کو ختم کر دینے سے ہماری قوم کے اعصاب پر جو اثر پڑا تھا اس سے ہزار درجہ اس حادثہ کا اثر قوی ہوگا، بلکہ اندیشہ ہے کہ شاید اس حادثہ کے بعد اس کا سنبھالنا ممکن ہی نہ ہو سکے۔

مستقبل کا نظام زندگی حضرات! آزادی اور پاکستان کے حصول کے بعد سب سے پہلا اور سب سے اہم سوال جو آپ کے سامنے آیا ہے اور آپ سے فوری حل کا مطالبہ کر رہا ہے وہ مستقبل کے نظامِ زندگی کا سوال ہے۔ سابق نظامِ زندگی جس کے تحت آپ نے کم و بیش ڈیڑھ سو سال بسر کیے اس کے بنانے والے انگریز تھے، جو اس ملک سے رخصت ہو چکے اور اب ناگزیر ہے کہ ان کے پیچھے یہ نظامِ زندگی بھی رخصت ہو جائے جو انھوں نے بنایا تھا، اور جو اپنے ظاہر و باطن میں آپ کے نہیں بلکہ ان کے مقاصد و مطلوبات کا ترجمان ہے۔ ہماری موجودہ نسلیں چونکہ اسی نظام کے تحت پلی اور بڑھی ہیں اس وجہ سے ممکن ہے اس سے وہ بیگانگی محسوس نہ ہوتی ہو، جو فی الحقیقت محسوس ہونی چاہیے، لیکن اب آزادی اور پاکستان کے حصول کے بعد جب وہ دوسروں کی بجائے اپنے آپ کو دیکھنا شروع کریں گی اور آہستہ آہستہ اپنے آپ کو پہچانیں گی تو اس نظام کی ہر چیز سے بیگانگی بلکہ نفرت سی محسوس کریں گی۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ یہ نظام بدل جائے اور صرف جزوی طور پر نہیں بلکہ یک قلم بدلا جائے۔ اور بے ڈھنگے لباس کی جگہ ایسا جامہ تیار کیا جائے جو اس کی قامت پر راست آئے۔ اب اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ اس نظام کو ترک کر کے وہ کونسا نظام ہے جو آپ اختیار کر سکتے ہیں؟ اگر آپ اپنے مسلمان ہونے کی حقیقت سے بھی کچھ آشنا ہیں تو آپ اس سوال کے جواب میں ایک ہی بات کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ اسلامی نظامِ زندگی۔ جہاں تک جواب کا تعلق ہے کوئی مسلمان اس جواب کے سوا کوئی اور جواب نہیں دے سکتا، یہ اور بات ہے کہ بہتوں کے ذہن میں اس کا مفہوم اتنا مبہم ہو کہ وہ اس کی کوئی واضح تعبیر نہ کر سکتے ہوں یا ان کے ذہن میں اسلامی اور جاہلی تصورات کا کوئی اپنا تیار کیا ہوا معجون مرکب ہو کہ جس کو انہوں نے اسلامی نظامِ زندگی سمجھ رکھا ہو یا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں

کہ مسلمان جس طرح کا نظام بھی قائم کر کے لائیں وہ آپ سے آپ اسلامی ہو جاتا ہے اور اس کے اسلامی بن جانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کو مسلمان چلا رہے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی بعض دوسری غلط فہمیوں کا پایا جانا ممکن ہے بلکہ ہم کو اعتراف ہے کہ اسلامی تعلیم و تربیت سے محروم رہنے کی وجہ سے مسلمان اسلامی نظام زندگی کے تصور سے اکثر و بیشتر ناآشنا ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک گروہ قلیل کے سوا جو قومی حیثیت سے تو مسلمان رہنا چاہتا ہے، مگر اعتقاد و عمل کے لئے اسے کفر ہی کی راہیں پسند ہیں کوئی بھی یہ بات کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اسے اسلام کا نظام نہیں بلکہ کوئی اور نظام مطلوب ہے، اور آج تو اس گروہ کے لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ صاف صاف یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ انہیں اسلام کے سوا کوئی اور نظام مطلوب ہے بلکہ اگر کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ جس نظام کو پسند کر رہے ہیں وہ اسلام کے نظام کے منافی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی اس عام خواہش کے ساتھ بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہ لوگ بھی پوری طرح ہمنوا ہیں جن کے ہاتھوں میں آج مسلمانوں کی باگ ہے اور نظام زندگی کے فیصلہ میں جن کی آواز اصلی موثر آواز ہو سکتی ہے اس وجہ سے اس اطمینان کے لئے تو معقول وجوہ موجود ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس ملک میں کوئی جاہلی اور کافرانہ نظام زندگی فروغ نہیں پائے گا، لیکن اسلام سے اس عام بے خبری کی وجہ سے جس میں اس عہد کے مسلمان مبتلا ہیں اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ مبادا کسی غلط اور ناقص چیز کو مسلمان اسلامی نظام سمجھ بیٹھیں، اور ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر لوگ ان کے اوپر اسلام کے نام سے کوئی ایسی چیز مسلط کر دیں جس کو اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ اس خطرہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی کی خصوصیات کو معلوم کیا جائے اور ان کا علم عام مسلمانوں میں بھی پھیلایا جائے تاکہ وہ اسلامی اور غیر اسلامی نظام کے درمیان امتیاز کر سکیں اور کسی غلط چیز کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دیں اور اگر فی الواقع اسلامی نظام قائم ہو تو اس کی حفاظت کر سکیں۔ اس تقریر میں میرے لئے اسلامی نظامِ زندگی کی تفصیلات پیش کرنا یا اس کی خصوصیات کو بیان کرنا تو ممکن نہیں ہے لیکن میں اسلامی نظام

زندگی سے متعلق چند ایسی موٹی موٹی باتیں بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتا جو عام مسلمانوں کو اسلامی اور جاہلی نظام کی شناخت کرنے میں مدد دے سکیں گی اور آگے پیش آنے والے حالات و مسائل میں ان کی رہنمائی ان کو بہت سی غلط فہمیوں اور بہت سے دھوکوں سے محفوظ رکھے گی۔

پہلی بنیادی بات اسلامی نظام زندگی سے متعلق سب سے پہلی بات جو ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس کی بنا انسانی آرا و افکار کی جگہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت پر ہے، اس کے اصول خدا اور اس کے رسول نے مقرر کر کے اس کے جزئیات کے متعلق یہ ہدایت فرمادی ہے کہ وہ انہی کلیات و اصول کی روشنی میں معین کر لئے جائیں، اور تمام نئے حالات و مسائل میں جو بات خدا اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے اصولوں سے قریب تر نظر آئے وہ عمل اور اتباع کے لئے اختیار کر لی جائے۔ اس میں انسانی فکر و نظر کو ایجاد کا نہیں، صرف اجتہاد و استنباط کا حق دیا گیا ہے اور یہ حق ان لوگوں کو دیا گیا ہے جو اسلامی شریعت پر مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں اور اسلام کے مصالح و مقتضیات کو سمجھ سکتے ہوں۔ اس میں انسانی فکر و نظر کے استعمال کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے، لیکن وہ غیر محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے کلیات کے تحت ہے اس میں جمہور کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں دیا گیا ہے، لیکن وہ ان لوگوں کے انتخاب کا حق رکھتے ہیں جن کو وہ اس قانون کی تنفیذ، بدلتے ہوئے حالات پر اس کی تطبیق اور اس کے مقتضیات کی رعایت و حفاظت کے لئے اہل خیال کرتے ہیں۔ وہ اس بات کا بھی پورا حق رکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو ایک مرتبہ وہ یہ امانت سونپیں اگر ان کو اس کے لئے نااہل پائیں یا ان کی طرف سے کسی خیانت یا بدعہدی کا کوئی خدشہ محسوس کریں تو ان کی اصلاح کے لئے کوئی مناسب قدم اٹھائیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو ان کو منصب سے ہٹا دیں۔ لیکن ان کی اقلیت یا اکثریت کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس نظامِ زندگی کے کلیات یا جزئیات ——— خدا اور اس کے رسول کے مقرر کردہ اصول سے بے پروا ہو کر ——— محض اپنی خود رائی سے تصنیف کرے۔ ایسا کرنا اسلامی شریعت میں نہ صرف ناجائز ہے بلکہ یہ براہ راست

خدا کے حق قانون سازی میں مداخلت کی وجہ سے کفر و شرک کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ بات اگرچہ اسلامی شریعت میں اتنی کھلی ہوئی ہے کہ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اس زمانے میں مسلمان عام طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ جو کچھ بھی کر گزریں وہ آپ سے آپ اسلامی ہو جاتا ہے، اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرح رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی انفرادی زندگیوں میں تو ممکن ہے مسلمان کسی حد تک اپنے اعمال و اقوال کے لئے خدا اور رسول کے احکام کو بھی معیار خیال کرتے ہوں، لیکن اپنی اجتماعی زندگی کے معاملات میں تو یہ اللہ اور رسول سے بالکل بے پروا ہو کر خود معیار اور سند بن گئے ہیں۔ یہ جو قانون بنا ڈالیں وہ آپ سے آپ اسلامی ہو جاتا ہے، خدا اور رسول سے اس کو کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو۔ یہ جو نظامِ معیشت و معاشرت پسند کرلیں وہ اسلامی ہے، اگرچہ وہ خدا اور رسول کے مقرر کردہ اصولوں سے کوسوں دور ہو۔ یہ جو نظامِ تعلیم جاری کر دیں وہ اسلامی نظامِ تعلیم ہے، اگرچہ اس نظامِ تعلیم سے اسلام کی بیخ کنی اور کفر کی آبیاری ہو رہی ہو۔ اس بر خود غلطی میں مسلمان ٹھیک ٹھیک اہل کتاب کے نقشِ قدم کے پیرو بن گئے ہیں۔ جس طرح اہل کتاب مدعی تھے کہ ہم جو کچھ زمین پر باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا اور جو کچھ زمین پر کھولیں گے آسمان پر کھولا جائیگا، بالکل اسی طرح مسلمان قوم اپنے آپ کو یا تو خدا اور رسول کے قائم مقام سمجھنے لگی ہے یا یہ خیال کرنے لگی ہے کہ خدا نے اس کو یہ درجہ دیا ہے کہ اس کا ہر قول و فعل بجائے خود سند اور حجت ہے۔ اس کے لئے کسی اور بالاتر سند اور حجت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کل تک جو مسلمان اس بات پر راضی نہ تھے کہ کوئی ایسی اسمبلی ان کے لئے قانون بنائے جس کی اکثریت غیر مسلم ہو وہ ان اسمبلیوں کے حق شریعت سازی پر کوئی خاص بے چینی محسوس نہیں کر رہے جن کی اکثریت خود ان کے بھائیوں پر مشتمل ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اصلی اہمیت دراصل اس بات کی نہیں ہے کہ قانون کا ماخذ کیا ہو، بلکہ جو کچھ اہمیت ہے وہ صرف اس بات کی ہے کہ اس کے بنانے والوں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہو، غیر مسلموں پر مشتمل نہ ہو۔ حالانکہ دیکھنے کی چیز یہی تھی کہ قانون کا ماخذ کیا ہے، خدا اور

رسول یا کوئی اور؟ اگر قانون کا ماخذ کوئی اور ہے تو وہ اسلامی شریعت میں حرام ہے اور اس کی حرمت میں اس چیز کی وجہ سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ یہ "کوئی اور" خود مسلمان جمہور کے نمائندے ہیں یا کسی اور قوم کے۔

اسلام زندگی کے ہر گوشے پر حاوی ہے

اسلامی نظام زندگی کے متعلق دوسری حقیقت یہ ہے کہ یہ ہماری اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر گوشے پر حاوی ہے۔ اسلام جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے، صرف بندے اور خدا کے درمیان ایک معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ بندوں اور بندوں کے درمیان کا بھی معاملہ ہے، اس وجہ سے وہ ان سارے اجتماعی و معاشرتی پہلوؤں سے بحث کرتا اور ان کے اصول و کلیات مقرر کرتا ہے جن پہلوؤں سے ایک شخص اپنے کنبہ یا قبیلہ یا قوم یا ملک یا اپنے ابنائے جنس کے ساتھ جڑتا ہے۔ اگر یہ جڑنا رشتہ اور قرابت کی نوعیت کا ہے تو اسلام اس کے لئے بھی حقوق و فرائض مقرر کرتا ہے۔ اگر یہ جڑنا اقتصادی و تجارتی نوعیت کا ہے تو اسلام اس کے بھی حدود و قیود معین کرتا ہے اور اگر یہ جڑنا سیاسی و اجتماعی پہلو رکھتا ہے تو اسلام اس کے چاروں گوشے بھی واضح کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اسلام کی نگرانی سے آزاد ہو۔ اس وجہ سے کوئی نظام زندگی، اسلامی زندگی کہلانے کا مستحق اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ ہر پہلو سے اسلامی ہو۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ اپنے اسی پرانے نظام کو لے کر جو انگریزوں کا بنایا ہوا ہے، کچھ اس کے اندر سے لیں اور کچھ اس کے استرے۔ اور اس کے جھول جھال کو ٹھیک کر کے اور کچھ اس میں اسلامی رنگ کے پیوند لگا کر اس کو مسلمانوں کے اوپر لادیں اور کہنا شروع کر دیں کہ یہ لو! اسلامی نظام تیار ہو گیا تو یہ کھلی ہوئی دھوکہ بازی ہو گی۔ اسلامی نظام اس قسم کی پیوند کاری یا گلکاری سے نہیں بنے گا، بلکہ موجودہ نظام زندگی کے ہر شعبہ کو یک قلم بدل کر اس کو خالص اسلامی اصولوں کی اساس پر تعمیر کرنا ہو گا۔ یہ تبدیلی اگرچہ تدریجاً ہو گی (اس تدریج کی صورت میں آگے چل کر واضح کروں گا) لیکن بہر صورت تبدیلی ہمہ گیر ہو گی یعنی موجودہ نظام پورے کا پورا بدل کر اس کی جگہ پورا اسلامی نظام جاری کرنا ہو گا۔ نظام اسلامی کے مجموعہ میں سے کچھ کو مستثنیٰ کرنے یا اس میں ترجیح و انتخاب کا حق ہمیں حاصل نہیں ہے۔

اسلام کا کوئی حصہ اختیاری نہیں ہے، سب کا سب واجب اور ضروری ہے۔ ــــــ

اسی طرح واجب اور ضروری، جس طرح نماز، روزہ ۔ البتہ اگر فرق ہے تو اس اعتبار سے فرق ہے کہ اسلام کے اجتماعی احکام کی تعمیل اس وقت تک افراد پر ضروری نہیں ہوتی جب تک وہ ایک با اختیار اور آزاد جماعت کی حیثیت حاصل نہ کرلیں ۔ یہ حیثیت حاصل ہو جانے کے بعد دین کے تمام اجزا جماعت پر یکساں طور پر واجب ہو جاتے ہیں، خواہ ان کا تعلق روزہ و نماز سے ہو یا حدود و تعزیرات سے ہو۔ یا جہاد و قتال سے ۔ اس قسم کی کلی تبدیلی، قطع نظر اس سے کہ یہ اسلام کا مطالبہ ہے، اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ اسلامی نظام کے مختلف اجزار کا اصلی حسن اسی وقت سامنے آتا ہے جب وہ اجزار خود اپنے فریم کے اندر ہوں ۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ اسلامی نظام زندگی کے ایک یا بعض اجزار کو لے کر ان کا پیوند کسی اور نظام زندگی میں لگا دیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ اسلامی جزو کی اصلی خوبی لوگوں کے سامنے نہیں آئے گی، بلکہ یہ اپنے اصلی جسم سے کاٹ کر ایک دوسرے جسم میں جوڑے جانے کی وجہ سے بے ڈھنگا بھی معلوم ہوگا ۔ اس کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام میں چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا یا زنا پر سنگسار کرنے کی سزا جاری کرنے کا حق اس وقت دیا گیا ہے جب ملک کا معاشی اور معاشرتی نظام اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر قائم کیا جا چکا ہو ۔ اس طرح کے ماحول میں چوری اور زنا کی یہ سزائیں نہ صرف واجبی اور معقول معلوم ہوں گی بلکہ ان جرائم کی اس سے کم درجہ سزا پر اس طرح کے ماحول میں بسنے والوں کا حساس ضمیر مطمئن ہی نہیں ہوگا ۔ لیکن اگر یہی سزائیں آپ موجودہ معاشی اور معاشرتی ماحول کے اندر جاری کردیں، تو ہر شخص ان سزاؤں کو غیر معقول اور بے رحمانہ قرار دے گا اور اس مذہب سے اسے بدگمانی ہوگی جس کے اندر ایسے عام جرائم پر اتنی سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں ۔ اس وجہ سے ہم اس بات کو اسلام کے لئے نہایت مضر سمجھتے ہیں کہ موجودہ جاہلی نظام زندگی کے فریم میں اسلام کے پرسنل لا یا اس کے کرمنل لا کو ٹھونسنے کی کوشش کی جائے اس کوشش سے اسلام کو فائدہ پہنچنے کی بجائے الٹا نقصان پہنچے گا، اور موجودہ نسلیں جو غیر اسلامی ماحول اور غیر اسلامی تعلیم و تربیت کے زیر سایہ پلنے اور بڑھنے کی وجہ سے اسلام سے پہلے ہی کچھ بدگمان ہیں، اندیشہ ہے کہ اگر اسلامی نظام زندگی سے ان کا یہ الٹا تعارف کرایا گیا تو ان کی یہ بدگمانی اور زیادہ بڑھ جائے گی،

اور دوسری قوموں کو بھی اسلامی احکام کی قدر و قیمت پہچاننے میں سخت زحمت پیش آئے گی۔

حکومت کیسے مسلمان بنتی ہے؟

تیسری نہایت اہم بات جو اس سلسلہ میں معلوم کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جس طریقے سے ایک شخص کفر کی حالت سے نکل کر اسلام کی حالت میں داخل ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح کوئی نظامِ زندگی یا کوئی اسٹیٹ بھی جاہلیت سے نکل کر اسلام کو اختیار کرتا ہے۔ اگر آپ کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانا چاہیں تو اس کے لئے یہ طریقہ اختیار نہیں کرتے کہ پہلے اس کے سر پر مسلمانوں جیسی پگڑی باندھ دیں یا اس کے چہرے پر داڑھی لگا دیں یا اس کو گائے کا گوشت کھلا دیں اور پھر اس سے کہیں کہ جا تو اب اسلام میں داخل ہو گیا ہے، آہستہ آہستہ بقیہ اسلام کو بھی اختیار کر لینا، بلکہ پہلے آپ اس سے خدائے وحدہٗ لاشریک کی حاکمیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب الاطاعت ہادی ہونے کا اقرار کراتے ہیں، جب وہ ان باتوں کا اقرار کر لیتا ہے تو آپ اس کو مہلت دیتے ہیں کہ اب وہ بالتدریج اپنی ساری انفرادی و اجتماعی زندگی کو اسلام کے رنگ میں رنگ ڈالے۔ اسی طرح جب کوئی حکومت مسلمان بننے کا ارادہ کرتی ہے تو اس کے لئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ وہ پہلے اپنے دائرے کے اندر شادی، بیاہ اور نکاح و طلاق سے متعلق اسلامی قوانین جاری کر دے یا کچھ مولویوں کو بھرتی کر کے پولیس کو نماز پڑھانے کی مہم جاری کر دے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے کانسٹی ٹیوشن (دستور) کی زبان سے، جو کسی سٹیٹ کے ارادۂ عمومی (General will) کے اظہار کا واحد ذریعہ ہے، خدا کی حاکمیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب الاطاعت لیڈر ہونے کا اقرار کرے۔ یہ اقرار کر لینے کے بعد اسٹیٹ نے گویا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیا۔ اب اس کو مہلت دی جائے گی کہ جس تدریج و تربیت کے ساتھ اسلام کے اجتماعی قوانین اختیار کرنے کی اسلام میں ہدایت کی گئی ہے اسی ترتیب و تدریج کے ساتھ وہ اسلام کے تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی ضابطوں کو اختیار کرنا شروع کرے، یہاں تک کہ ایک دن پورے طور پر اسلام کے رنگ میں رنگ جائے اور اس کی زندگی کے کسی گوشے میں بھی جاہلی نظامِ زندگی کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ اگر اس فطری طریق کو چھوڑ کر غیر فطری طریقہ اختیار کیا گیا، جیسا کہ پاکستان کے لیڈر پاکستان کی حکومت کو اسلامی بنانے کے لئے اختیار کر رہے ہیں تو

اندیشہ ہے کہ اس طرح یہ ملک کبھی بھی اسلامی حکومت کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔ ہم ان لیڈروں کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرتے، ممکن ہے وہ نیک نیتی کے ساتھ یہ خیال کر رہے ہوں کہ اس طرح وہ آہستہ آہستہ ملک کے پورے نظام کو اسلامی بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ یہ الٹی تدریج اسلامی نظام کے مطالبہ سے لوگوں کو پھیرنے یا نئی نسلوں کو اس سے کچھ بدگمان کرنے کے لئے تو مفید ہوگی، لیکن اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لئے یہ ذرا بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ ہم تدریج کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کو از روئے شریعت ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس الٹی تدریج کو نہایت مہلک خیال کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک فطری تدریج یہی ہے کہ پہلے اسٹیٹ اپنے دستور کی زبان سے کلمہ پڑھے اور خدا کی حاکمیت کے حق میں اپنی حاکمیت سے دست برداری کا اعلان کرے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اپنے نظام کے ہر شعبے کو اس عقیدے کی روشنی میں بدلے۔ پہلے اسٹیٹ کی صورت کو، پھر نظام تعلیم کو پھر قضا اور عدالت کے طریقوں کو، پھر معاشرتی اور اقتصادی طریقوں کو یہاں تک کہ قومی ضابطہ حیات سے لے کر خارجی سیاست تک ہر چیز کا مزاج یکسر اسلامی ہو جائے۔ لیکن سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسٹیٹ کا اقرار ایمان چنداں ضروری نہیں ہے، بلکہ ایک لادینی جمہوری ریاست بھی قائم ہو جائے تو اس کے نظام میں بھی آہستہ آہستہ اسلامی نظام حیات کے اجزا کا پیوند لگا کر اس کو اسلامی رنگ کا بنا لیا جائے گا۔ اس طرح کے لوگوں کو کون سمجھائے کہ کسی منکر خدا و رسول کو محض داڑھی رکھوا کر یا پگڑی بندھوا کر مسلمان نہیں بنایا جا سکتا، اسی طرح ایک لادینی جمہوری ریاست کو محض نکاح و طلاق کے اسلامی قوانین کے ذریعہ سے اسلام کی طرف نہیں لایا جا سکتا اور یہ بات کہ اس ملک کے اندر مسلمانوں کی اکثریت ہے اس وجہ سے وہ لازماً ایک لادینی جمہوری ریاست کو بھی اسلام ہی کی طرف کھینچے گی، محض ایک طفلانہ خیال ہے۔ اگر ایک مرتبہ لادینی جمہوری اسٹیٹ قائم ہو گیا تو کچھ دنوں تک تو ممکن ہے کہ یہ صورت قائم رہ سکے کہ آپ مسلمان رہیں اور آپ کی حکومت کافر، لیکن زیادہ زمانہ نہیں گذرے گا کہ آپ کی اسٹیٹ اس دو رنگی کو مٹا کر رہے گی۔ اور یا لآخر اسٹیٹ کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی کافر بننا پڑے گا۔

اس وقت مقصود اسلامی نظام کی تفصیلات کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اسلامی نظام زندگی سے متعلق بعض ایسی اصولی باتوں کو آپ کے سامنے رکھ دینا ہے جو آپ کو ان دستوری تبدیلیوں کے رجحان کو سمجھنے میں مدد دے سکیں جو مستقبل قریب میں اس ملک میں ہونے والی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے یہ باتیں کافی ہوں گی۔ اس وجہ سے میں ان سے ہٹ کر ان عذرات پر اب چند حرف عرض کرنے کی کوشش کرونگا جو اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں۔

بعض عذرات اور ان کا جواب میں نے عذرات کا لفظ بالقصد استعمال کیا ہے، ورنہ بعض باتیں اسلامی نظام کی نسبت ایسی بھی کہی جاتی ہیں جو صریح مخالفت کی حیثیت رکھتی ہیں، اور صرف انہی لوگوں کی طرف سے نہیں کہی جاتی ہیں جو غیر مسلم ہیں، بلکہ ان لوگوں کی طرف سے بھی کہی جاتی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ میں اسلام کے ان مسلمان مخالفین کے جواب میں اس کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ اگر انہیں اسلامی نظام پر اعتراضات ہیں تو وہ جو نظام زندگی چاہیں اس کو اختیار کرلیں اور کھلم کھلا اختیار کریں۔ وہ خواہ مخواہ اسلام کے ساتھ چمٹے نہ رہیں بلکہ اخلاقی جرأت کا ثبوت دیں اور اپنے لئے مسلمانوں کے دائرہ سے کوئی جگہ باہر تلاش کرلیں۔ البتہ میں ان لوگوں کے عذرات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو اسلامی نظام کی قدر و قیمت اور اس کے قیام کی ضرورت و اہمیت کا تو اعتراف کرتے ہیں لیکن بعض وقتی حالات یا سیاسی مصالح کو بطور عذر پیش کرکے فی الحال اس کو ملتوی کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ جو باتیں کہہ رہے ہیں ان میں سے دو باتوں کو خاص طور پر اہمیت دی جارہی ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ اس وقت پاکستان مختلف قسم کے اندرونی و بیرونی خطرات سے گھرا ہوا ہے۔ انڈین یونین اس کے تباہ کرنے پر تلی ہوئی بیٹھی ہے، سکھ اس کے خلاف الگ غصہ سے کھول رہے ہیں، کشمیر میں الگ جھگڑا چل رہا ہے، اندرونی ملک کا یہ حال ہے کہ پناہ گزینوں کے مسئلے نے ملک کے معاشی نظام اور اس کی انتظامی مشینری کو درہم برہم کر ڈالا ہے، اور بعض سیاسی جماعتیں

بھی (مثلاً پٹھانستان کی تحریک) موجود ہیں جو پاکستان کی وحدت کے لئے سخت خطرہ بن سکتی ہیں۔ ان حالات کے اندر اسلامی نظام کا سوال ایک بے وقت سوال ہے جس کے اُٹھ کھڑے ہونے سے اندیشہ ہے کہ بیرونی خطرات اور اندرونی مشکلات دونوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر پاکستان میں مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو لازمی طور پر اس کا ردعمل ہندوستان میں یہ ہوگا کہ ہندو مہا سبھا کی تحریک کو تقویت ہوگی اور وہاں بھی ایک لادینی جمہوری حکومت کی جگہ خالص مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جائیگی جس سے اقلیتوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص نقصان پہنچے گا اور ان کی رہی سہی آزادی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میں ان دونوں باتوں کا مختصراً جواب دونگا۔

خطرات کے عذر کا جواب | پہلی بات کے جواب میں گذارش ہے کہ ان خطرات کی وجہ سے اس چیز کو ملتوی کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے جس کی خاطر ہی ہم نے ان خطرات کو دعوت دی ہے۔ میں شروع میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں کہ اگر ہم اسلام اور اسلامی زندگی اپنے لئے ناگزیر خیال نہ کرتے ہوتے اور اس کو کسی وجہ سے بھی ملتوی کرنا ہمارے لئے جائز ہوتا تو ہمارے لئے پاکستان کے مطالبہ کے لئے کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ ہم نے یہ خطرناک مطالبہ کیا ہی اس وجہ سے تھا کہ ہم ہر خطرہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن اسلام کو ملتوی نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کتنی نامعقول بات ہوگی کہ ہم اپنے مسلمان بننے کو ملتوی رکھ چھوڑیں، اس وجہ سے کہ کچھ خطرات اور مشکلات ہیں۔ اگر ان خطرات اور مشکلات کی وجہ سے اسلام کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے تو پھر نہ تو ہندوستان کو تقسیم کرانے ہی کی کوئی ضرورت تھی اور نہ اپنی قوم کو ان مصائب میں مبتلا کرنے ہی کی کوئی وجہ تھی، جن میں آپ اس کو مبتلا کر چکے۔ لیکن یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد یہ کتنی عجیب بات ہے کہ خطرات و مصائب کے احساس نے ہم کو اسی چیز سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا ہے جس کو ہم اپنی زندگی کے لئے سانس کی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔

ممکن ہے یہ بار یک بات بعض لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، اس وجہ سے ان خطرات پر ایک

دوسرے پہلو سے غور کیجئے! یہ سارے خطرات جو آج موجود ہیں اور جو کل پیدا ہو سکتے ہیں، یہ اس ملک کے سر پر اس وقت تک برابر منڈلاتے رہیں گے، جب تک یہ صرف ایک چھوٹی سی پاکستانی قوم کا قومی وطن (Home Land) ہے جب تک آپ محض ایک قوم ہیں، اس وقت تک آپ کے لئے اور اس ملک کے لئے نہ ہندوستان کی طرف سے مطمئن ہونے کی کوئی صورت ہے، نہ روس کی طرف سے، اور نہ ایران و افغانستان کی طرف سے۔ ایران و افغانستان کے ساتھ اگرچہ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا رشتۂ اخوت کا رشتہ ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی ترقی جس طرح ہندوستانی قومیت کے مفاد کے خلاف ہے اسی طرح ایرانی و افغانی قومیت کے بھی خلاف ہے، اس وجہ سے کہ بحیثیت ایک "قوم" کے دنیا کی تمام دوسری قوموں کے ساتھ آپ کا فطری تعلق عداوت اور رقابت ہی کا ہو سکتا ہے نہ کہ دوستی، اخوت اور ہمدردی کا۔ ایک قوم رہتے ہوئے آپ دنیا کی دوسری قوموں سے زیادہ سے زیادہ جس بات کی توقع کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ظاہر میں وہ آپ کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کریں اور آپ کے تعاون کا جواب تعاون سے دیں، اور یہ توقع بھی صرف ان ہی قوموں سے کر سکتے ہیں جن کے سیاسی مصالح ان کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ آپ کے ساتھ رواداری اور تعاون کا رابطہ رکھیں۔ اسی وجہ سے جو خطرات آپ آج محسوس کر رہے ہیں ان خطرات کے کافور ہونے کی توقع کل بھی نہیں کی جا سکتی اور اگر ان کی وجہ سے آپ اسلامی نظام کے قیام کو ملتوی کر رہے ہیں تو پھر اس کو ہمیشہ کے لئے ملتوی ہی سمجھئے۔

اصل قوت اسلام ہے کسی قوم کے لئے دوسری قوموں کی طرف سے بے خوف اور مطمئن ہونے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے، بجز اس ایک راستہ کے کہ اپنے وسائل و ذرائع اور اپنی مادی اور جنگی قوتوں کے لحاظ سے وہ تمام معاصر قوتوں سے بازی لے جائے۔ لیکن پاکستان جیسے محدود ذرائع رکھنے والے ملک کے لئے، بالخصوص جبکہ وہ ہر طرف سے وسیع ذرائع رکھنے والی رقیب طاقتوں سے گھرا ہوا ہے، ایسی عظمت حاصل کر لینا کہ وہ دنیا کی قوموں سے ڈرنے کے بجائے خود ان کے لئے خطرہ بن جائے اگرچہ محال نہیں ہے لیکن قومی راستوں سے یہ مقام حاصل کرنا کم از کم ایک

مدت دراز تک کے لئے محال ہے۔ البتہ اس کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کے باشندے ایک "قوم" بننے کے بجائے "ملت مسلمہ" بننے کی ہمت کریں اور پاکستان کو پاکستانی قومیت کا وطن بنانے کی جگہ، اس کو اسلامی دعوت اور اسلامی تحریک کا مرکز بنائیں۔ یہ اسلامی تحریک بلاشبہ ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف بلا امتیاز نسل و قوم تمام دنیا کو بلایا جا سکتا ہے اور تمام نسل انسانی کے لئے اس کے اندر کشش ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی قومی اور وطنی چیز نہیں ہے بلکہ ایک اصولی چیز ہے۔ اس کو تمام دنیا پر غالب کرنے کے لئے مادی وسائل و ذرائع کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کی طرف دعوت اور اس کے مظاہرہ کی ضرورت ہے۔ اس کو دنیا سے منوانے کے لئے مادی اور جنگی قوتوں کی پشت پناہی درکار نہیں ہوگی، بلکہ اسلامی تعلیمات کی خود اپنی قوت اور جاذبیت اس کے لئے فوج اور لشکر کا کام دیگی، دنیا کی قومیں اس کو کسی قوم کا غلبہ سمجھ کر اس کے خلاف بغاوت کرنے کے بجائے ان لوگوں کے خلاف بغاوت کریں گی جو اس کے خلاف نفرت پھیلانے کی یا اس کی مزاحمت کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح اگر آپ چاہیں تو آپ دفعۃً اپنی اور اپنے اس ملک کی حالت بدل دے سکتے ہیں۔ آج ہر طرف سے دوسرے آپ کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں اور آپ ان سے ڈر رہے ہیں لیکن کل (اگر آپ نے اپنی حالت بدل لی) آپ تمام دنیا کے لئے رحمت بن جائیں گے اور سب آپ کی راہ دیکھیں گے۔ عربوں کی قوم ایک نہایت چھوٹی سی قوم تھی۔ ان کے وسائل و ذرائع نہ صرف محدود بلکہ بمنزلہ صفر تھے، اگر وہ محض اپنے قومی وسائل کے بل پر لاکھ برس بھی کوشش کرتے تو شاید اونٹوں کی چرواہی سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عزت سے ان کو سرفراز کیا اور وہ اس کو لے کر اٹھے اور چشم زدن میں مراکش سے لے کر دیوار چین تک پھیل گئے، اور زمین کے ہر گوشے میں انسانیت کے نجات دہندوں کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ یہ راہ آپ کے لئے بھی کھلی ہوئی ہے اگر آپ اسلامی دعوت اور اسلامی سیرت کے ساتھ اس راہ پر چلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو کامیابی حاصل نہ ہو۔

یہ خیال نہ کیجئے کہ ترکوں نے مذہب اور خلافت سے جو دستبرداری کا اعلان کیا، اس کی وجہ خدانخواستہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں مذہب اور خلافت کے لئے دنیا میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے ترکوں کے پاس نہ مذہب تھا اور نہ خلافت بلکہ ایک بے جان سی ملوکیت تھی جس کو انھوں نے خلافت کا نام دے رکھا تھا۔ اس طرح کی کسی چیز کے لئے بلاشبہ موجودہ زمانہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور اچھا ہوا کہ ترکوں نے اس ڈھونگ کو ختم کر دیا۔ ہم آپ کو ترکوں کی دفن کی ہوئی لاش کو اکھاڑنے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں بلکہ اس نظام اسلامی کو قائم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی رہنمائی میں قائم ہوا تھا۔ سلطان عبدالحمید اور عبدالمجید کی خلافت کے احیاء کے لئے نہیں پکار رہے ہیں۔

امامت اقوام کا منصب سائنس کی ترقیوں نے اب چھوٹی چھوٹی قومی اور وطنی ریاستوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب دنیا ایک عالمگیر ریاست (World State) کے قیام کی ضرورت بے چینی کے ساتھ محسوس کر رہی ہے اس کی اسی مخفی خواہش کا اظہار پہلی جنگ عظیم کے بعد جمعیت اقوام کی صورت میں ہوا تھا اور اب دوسری جنگ عظیم کے بعد یو این او کی شکل میں ہو رہا ہے، لیکن ایک عالمگیر ریاست کے لئے جو بنیادی اصول درکار ہیں، دنیا ان سے نا آشنا ہے۔ اس وجہ سے ایک بچے کی طرح دنیا اپنے درد کا اظہار تو کرتی ہے لیکن نہ تو وہ اس درد کو بیان کر سکتی ہے اور نہ اس کے علاج کا ہی اس کو علم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح جمعیت اقوام کا ناقص علاج ناکام رہا اسی طرح یو این او کا غلط علاج بھی ناکام ہو رہا ہے۔ روس ایک اصولی تحریک لے کر اٹھا تھا اور بہتوں کو یہ گمان تھا کہ وہ اس دنیا کے اس مطالبہ کو پورا کر دے گا، لیکن اس کو اپنے اصولوں کی کمزوری کی وجہ سے بالآخر اپنے خول میں سمٹ جانا پڑا۔ ہم کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ دنیا کی اس ضرورت کو صرف اسلامی نظام ہی پورا کر سکتا ہے۔ لیکن کسی نظام کو پیش کرنے کا کام کوئی فرد واحد (خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو) انجام نہیں دے سکتا۔ یہ کام درحقیقت ایک ملک کے کرنے کا ہے، اور اگر پاکستان اس کام کا بیڑا اٹھائے تو اس کی اپنی مشکلات کا بھی اس میں علاج ہے اور دنیا کی ساری مشکلات کا بھی اس میں خاتمہ ہے ہماری دلی آرزو اور دعا ہے کہ پاکستان اس کام کو انجام دینے کی توفیق پائے اور دنیا کی امامت کی ذمہ داریاں

سنبھالے۔

ہندوؤں کی مذہبی حکومت کا ہوّا دوسرا عذر جو پیش کیا جاتا ہے وہ بھی بے بنیاد ہے اور اس کے بے بنیاد ہونے کے متعدد وجوہ ہیں، جن میں سے بعض کی طرف میں اشارہ کروں گا۔

اول تو اس بات کو خوب یاد رکھیے کہ ہندوستان میں ہندو اگر مذہبی حکومت نہیں قائم کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو اپنی مسلمان اقلیت کا لحاظ ہے۔ جہاں تک اقلیتوں کا تعلق ہے، اُن کے حقوق تلف کرنے کے لیے ہندوؤں کی ایک لادینی جمہوری ریاست بھی اسی طرح بے رحم ثابت ہو سکتی ہے جس طرح ان کی ایک مذہبی حکومت ہو سکتی ہے، البتہ وہ مذہبی حکومت کا نام اگر نہیں لے رہے ہیں اور نہیں لے سکتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مذہب کی بنیاد ذات پات کے ایسے امتیازات پر ہے کہ ان کی قوم خود مذہبی حکومت کو برداشت نہیں کر سکتی، اور اگر کوئی مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خلاف سب سے پہلے خود ہندو قوم بغاوت کرے گی اس وجہ سے یہ چیز ہمارے ڈرنے کی نہیں ہے بلکہ آپ کو خواہش کرنی چاہیے کہ ایسا ہو۔ اگر آپ پاکستان میں اسلام کی حکومت قائم کریں اور ہندو اس کے جواب میں ہندوستان میں اپنی مذہبی حکومت قائم کر دیں تو یہ مقابلہ انشاءاللہ آپ کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ اس مقابلہ میں اسلام کی وہ خوبیاں اور صلاحیتیں تمام دنیا پر واضح ہو جائیں گی جو ایک مدت سے لوگوں کے سامنے نہیں ہیں، ان کے واضح ہونے کے بعد آپ گھاٹے میں نہیں بلکہ نفع میں رہیں گے۔

غیر مسلموں کے حقوق دوسری بات یہ ہے کہ ہندوؤں اور غیر مسلموں کو اگر ہماری مذہبی حکومت سے کوئی شکایت ہو سکتی ہے تو اس حالت میں ہو سکتی ہے، جب کہ اس کے زیر سایہ ان کے حقوق تلف ہونے کا کوئی اندیشہ ہو، یا ایک لادینی ریاست میں ان کو زیادہ حقوق پانے کی توقع ہو۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک لادینی ریاست ہی کے قیام پر اصرار کریں۔ میں اسلام کے متعلق جو تھوڑا بہت علم رکھتا ہوں، اس کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی لادینی جمہوری ریاست اپنے اندر بسنے والی اقلیتوں کو جو زیادہ سے زیادہ حقوق دیتی ہے، اسلامی حکومت اپنے دائرہ

کے اندر بسنے والی غیر مسلم رعایا کو اس سے کہیں زیادہ حقوق دیتی ہے، البتہ اسلام نے حقوق اور ذمہ داریوں میں فرق کیا ہے۔ ذمہ داریوں کا بوجھ صرف ان لوگوں پر ڈالا ہے جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن حقوق میں اسٹیٹ کے اندر بسنے والے ہر فرد کو یکساں شریک کیا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو۔ ایک اسلامی اسٹیٹ کے اندر غیر مسلموں کے حقوق نمائشی نہیں ہوتے بلکہ واقعی اور قطعی ہوتے ہیں اور اسلامی اسٹیٹ ان کے لئے خلق اور خالق دونوں کے آگے جوابدہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس لادینی جمہوری ریاستوں کے اندر اقلیتوں کے حقوق محض نمائشی ہوتے ہیں جو کاغذ پر تو نظر آتے ہیں لیکن واقعات کی دنیا میں نہ تو ان کا کوئی وجود نظر آتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی لادینی جمہوری ریاست اقلیت کے کسی فرد کو وزارت کے منصب پر سرفراز کر دے لیکن کوئی اقلیت اپنے حقوق پر اصرار کر کے کسی جمہوری ریاست کے اندر نپپ نہیں سکتی۔ غیر مسلموں کو اگر شکایت ہو سکتی ہے اور بجا طور پر ہو سکتی ہے تو آپ کی ان زیادتیوں کی وجہ سے ہو سکتی ہے جو آپ نے ۱۵ اگست کے بعد ان پر کی ہیں اور جن کے سبب سے آپ نے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچایا ہے اور اسلام کو بھی سخت بدنام کیا ہے؟ لیکن یہ ساری حرکتیں تو آپ کر گزرے اور آپ نے ذرا نہ سوچا کہ ان کے اثرات آپ کے کروڑوں بھائیوں پر اور آپ کے دین پر کیا پڑیں گے، لیکن جب صحیح کام کرنے کا وقت آیا ہے اور جس کو انجام دے کر آپ اسلام کی، ہندوستان کے مسلمانوں کی، پاکستان کے غیر مسلموں کی اور خود اپنی ایک سچی خدمت انجام دے سکتے ہیں تو آپ ڈر رہے ہیں کہ ادھر آپ نے اس کا ارادہ کیا اور ادھر ہندوستان کے مسلمان تباہ ہو گئے۔ بلاشبہ دینی حکومت کا نام لینے سے غیر مسلموں کو کچھ بدگمانیاں ہوں گی، لیکن یہ بدگمانیاں اسی وقت تک باقی رہیں گی جب تک ان کے سامنے اس کی صحیح صورت نہیں آئے گی، لیکن جونہی اس کا اصلی نقشہ ان کے سامنے آیا، وہ اس کو ایک لادینی جمہوری ریاست پر بہرحال ترجیح دیں گے اور اس کے زیر سایہ رہنا اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے۔ بشرطیکہ آپ اسلامی حکومت

قائم کریں۔

علماء اور مشائخ سے گذارش آخر میں مجھے علماء و مشائخ سے یہ عرض کرنا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ انہوں نے جس پاکستان کے حصول کے لئے اللہ اور رسول کے نام پر اپیل کی تھی، وہ حاصل ہو چکا ہے اور اس کی دستور ساز اسمبلی نے اپنا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ دستور ساز اسمبلی آپ کی نمائندہ ہے اس وجہ سے آپ اس کے فیصلوں کے متعلق خدا کے آگے ذمہ دار ہوں گے۔ بظاہر اس دستور ساز اسمبلی کے لئے دو ہی امکانات ہیں، یا یہ ان وجوہ کی بنا پر جن کو میں شروع تقریر میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، دستور میں اس امر کا اقرار کریگی کہ پاکستان کی بادشاہی خدا کی ہے اور اس کے نظام اور قانون کی بنیاد خدا کی شریعت پر ہے، یا وقت کے حالات اور ارباب کار کے رجحانات سے دب کر ایک لادینی جمہوری ریاست کے قیام کا فیصلہ کریگی۔ یہ دونوں باتیں یکساں نہیں ہیں، بلکہ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اگر پہلی بات ہوئی تو نہ صرف دستور بدلے گا بلکہ اس ملک کا پورا نظام بدلے گا، اور مذہب جو ہمارے موجودہ نظام زندگی کے بے شمار شعبوں میں سے محض ایک شعبہ اور نہایت حقیر شعبہ ہے، اس تبدیلی کے بعد اصلی مرکزی جگہ حاصل کرے گا، اور ہر چیز اس کے تابع ہو جائے گی۔ تعلیم میں مرکز نگاہ یہ ہوگا، تہذیب و تمدن میں معیار یہ قرار پائے گا، قانون اور قضا میں اصلی جگہ اس کو حاصل ہوگی، معاشی نظام اس کے سانچے میں ڈھلے گا، اور سیاسی نظام اس کی بنیاد پر قائم ہوگا، جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا کہ موجودہ اقدار اور پیمانے یکسر بدل جائیں گے جن کے بدل جانے سے ہو سکتا ہے کہ موجودہ نظام میں جو بڑے ہیں وہ آئندہ نظام میں چھوٹے ہو جائیں گے اور جو موجودہ نظام میں چھوٹے ہیں وہ آئندہ نظام میں بڑے ہو جائیں۔ اسی طرح اگر دوسری شکل ہوئی تو اس کے نتائج بھی نہایت دور رس ہوں گے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے ایک لادینی جمہوری ریاست کی طرف سے اس کے ساتھ دو ہی طرح کے سلوک کی توقع کی جا سکتی ہے، یا تو وہ چشم پوشی اور اغماض کا سلوک کریگی یا عناد کی پالیسی اختیار کرے گی۔ تجربہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں طرح کے سلوک لادینی حکومتیں بہ دو مختلف طرح کے حالات کے اندر کرتی ہیں۔ جن ملکوں

کے اندر مذہبی احساس کمزور ہوتا ہے وہاں لادینی حکومتیں بالعموم چشم پوشی کی پالیسی اختیار کرتی ہیں
ور پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ نظام غالب کے تحت یہ خفیف مذہبی احساس خود اپنی موت مرجائیگا
اس کو مارنے کے لئے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جہاں مذہبی شعور قوی اور مذہبی
دلدے طاقتور ہوں اور لادینی حکومت محسوس کرتی ہو کہ اس کی جڑیں اس زمین میں اس وقت تک
پوری طرح نہیں پھیل سکتی ہیں جب تک مذہبی جڑیں نہ اکھاڑ دی جائیں، وہاں وہ پوری طاقت
کے ساتھ اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ مذہب کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑے۔ میرا اندازہ ہے
کہ پاکستان کے حالات اسی طرح کے ہیں اس وجہ سے اگر اس ملک میں کسی لادینی ریاست کے قیام
کا فیصلہ ہوا تو اس کی تعمیر مذہب کی تخریب کے بعد ہی ممکن ہو سکیگی اور لادینیت کے ائمہ مجبور ہوں گے
کہ اس سرزمین کو تمام مذہبی آثار اور محرکات سے اس طرح صاف کر دیں جس طرح کمال اتاترک اور
اس کے ساتھیوں نے ٹرکی کو تمام مذہبی باقیات سے صاف کر دیا تھا۔

گروہی تعصبات کو خیرباد کہئیے ان نتائج کی روشنی میں حضرات علماء اپنی ذمہ داریوں کو خود سمجھ
سکتے ہیں۔ اگر فی الواقع ان کو مذہب عزیز ہے تو ان کو اپنے گروہی تعصبات کو خیرباد کہہ کر بیک آواز
مذہبی حکومت کے قیام کا مطالبہ کرنا چاہئیے۔ آپ کو علم ہوگا کہ بعض بہانہ ساز لوگوں کی طرف سے علماء
کے فقہی اختلافات اور گروہی تعصبات کو اسلامی نظام حکومت کے خلاف بطور ایک الزام کے
پیش کیا جاتا ہے۔ اس الزام کو دور کرنا ہمارے علماء کا فرض ہے۔ ہر گروہ کے علماء کو یہ اعلان کر دینا
چاہئیے کہ اسلامی حکومت کسی متعین فقہ پر مبنی نہ ہوگی کہ مختلف گروہوں کے تعصبات کو اس کے خلاف
دلیل کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اسلامی حکومت کی بنا اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت اور
اجتہاد اور شوریٰ پر ہوگی۔ ان ہی اصولوں پر خلافت راشدہ کی بنیاد تھی اور اسی نظام کے اندر لوگ
رائے کی حد تک اپنے اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے بھی اولی الامر کے فیصلوں کی اطاعت کرتے تھے۔
یہی طریقہ ہماری اسٹیٹ کا بھی ہوگا۔ یہ طریقہ آزادی رائے کی بھی بہتر سے بہتر طریق پر حفاظت کرتا
ہے اور اسٹیٹ کی آئینی اور انتظامی دقتوں کو بھی رفع کر دیتا ہے۔

صوفیا و مشائخ کے کارنامے | میں حضرات مشائخ و صوفیا کو بھی ان کی تاریخ یاد دلانا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جب اسلامی حکومت نے اپنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خصوصیت کھو دی اور آہستہ آہستہ اسلامی نظام میں انتشار پیدا ہو گیا اور اس بات کا ڈر ہوا کہ اصلاح و دعوت کا کوئی نظام باقی نہ رہنے کی وجہ سے مسلمان دینی بے حسی اور گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ہمارے بہت سے بزرگوں نے مسلمانوں کو اس بے دینی کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق دعوت و ارشاد کے الگ الگ حلقے بنا لئے اور اس طرح لوگوں کو اپنے اپنے حلقہ سے وابستہ کر کے حتی المقدور ان کو بے دینی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش کی۔ ان بزرگوں کی ان کوششوں سے ایک طرف تو غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت پہنچی اور دوسری طرف مسلمانوں میں بھی دینی روایات زندہ رہیں لیکن بعد میں ان حلقوں نے گدیوں کی صورت اختیار کر لی اور پھر آہستہ آہستہ ان گدیوں کے ساتھ ایک طرف تو لوگوں کے ذاتی مفاد وابستہ ہو گئے اور دوسری طرف ان کی تمام ہماہمی خدمت دین کے بجائے رسوم و بدعات پر منحصر رہ گئی۔ اپنی اس تاریخ پر اگر ہمارے یہ مشائخ غور کریں اور شخصی وقار اور ذاتی مفاد کے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے غور کریں تو وہ محسوس کریں گے کہ ان کے بزرگ اسلاف نے جس مقصد حق کی خاطر اپنے یہ الگ الگ زاویے بنائے تھے اب اس مقصد کے لئے اس نظام شرعی کے قیام کا موقع اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے جو اس مقصد کے انجام دینے کا اصلی ذریعہ ہے۔ اس موقع کے پیدا ہو جانے کے بعد اب دعوت و ارشاد اور بیعت و ارادت کی تمام انفرادی کوششوں کو ایک مرکز میں مرتکز کرنے کی سعی کرنی چاہیئے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ دعوت و ارشاد کے جس مرکزی منارہ نور کے گر جانے کے سبب سے ہمارے بزرگوں کو یہ الگ الگ چراغ جلانے پڑے تھے، اب اس منارہ کو از سر نو تعمیر کرنے کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اس کو تعمیر کر دینے کے بعد ایک ہی مرکز سے تمام دنیا کو روشنی پہنچائی جاسکیگی، اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی کہ چھوٹے چھوٹے دیے جلا کر باد حوادث سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو دامنوں کے نیچے چھپا کر رکھا جائے جیسا کہ ہمارے بزرگوں کو کرنا پڑا تھا، بلکہ اب اگر ہم وقت سے فائدہ اٹھائیں تو ایک ایسا پاور ہاؤس تعمیر کر سکتے ہیں جس حوادث

کے علی الرغم اور طوفان کے برخلاف دنیا کو اپنی روشنی سے منور رکھ سکتا ہے۔

یہ فیصلہ کن وقت ہے

مجھے اُمید ہے کہ ہمارے علماء اور مشائخ سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہوگی کہ اسلامی تحریک اب اس ملک میں ایک فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوگئی ہے، اب اس ملک میں یا تو خالص اسلام رہے گا یا خالص کفر، کفر اور اسلام کی وہ ملی جلی حالت اب یہاں باقی نہیں رہے گی جو اب تک رہی ہے۔ اب ان میں سے جو بھی آئے گا، پوری شوکت اور پورے دبدبہ کے ساتھ آئے گا اور وہی حکمراں بن کے رہے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ آنے والا اسلام ہو اور وہی اس سرزمین پر حکمراں بن کے رہے اور اس کوشش میں اگر ضرورت پڑے تو ہمیں سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین